رسائل ومسائل

فوجداری جرائم میں حقِ دعویٰ ومصالحت

سوال: مروج قانونی اصطلاح کے مطابق جرائم جو مستلزمِ سزا ہیں، انھیں بالعموم دیوانی (Civil) اورفوجداری (Criminal) جرائم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دیوانی مقدمات میں عام طور پر مالی تاوان یا قید کی سزا دی جاتی ہے اورفوجداری جرائم میں اس کے علاوہ سنگین مقدمات میں موت تک کی سزا ہوسکتی ہے۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں حدود یا قصاص کے مقدمات فوجداری نوعیت کے ہیں، مگر اُن کے مابین فرق وامتیاز واضح طور پر سمجھ میں نہیں آیا۔

مثلاً یہ کہ اُن میں سے ہر جرم آیا قابلِ دست اندازیِ ریاست ہے یا نہیں؟ اور دعویٰ دائر ہوجانے کے بعد آیا ہر فوجداری مقدمہ قابلِ راضی نامہ ہے یا نہیں؟ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ ہر ایسا مقدمہ قابلِ راضی نامہ مابین فریقین ہے۔ قتل کے مقدمات، قاتل ومقتول یا مقتول کے وارثوں میں قابلِ راضی نامہ ہیں، لیکن اِن میں حقِ دعویٰ اور قصاص لینے کا حق کس کو حاصل ہے؟ اگر اس میں مدعی و مدعا علیہ باہم مصالحت اور سمجھوتا کرلیں تو کیا ریاست یا حکومت ثبوتِ جرم کے باوجود کوئی کارروائی نہیں کرسکتی؟ اگر ایسا ہو تو بعض قتل رائیگاں جائیں گے اور جن مجرمین کے پاس طاقت یا دولت ہے وہ مظلومین کا منہ بند کردیں گے، نیز جو وارث مقتول کے قصاص کا مطالبہ کرسکتے ہیں اُن کی کوئی متعین فہرست ہے یا ہر قسم کا رشتہ دار یا خاندان کا فرد اس کا حق رکھتا ہے؟

جواب: اسلام کے نظامِ قانون کی رُو سے بعض فوجداری جرائم ایسے ہیں، جن میں ملزم کے خلاف حکومت یا ہر شہری مدعی یا فریقِ مقدمہ بن سکتا ہے، مثلاً سرقہ، ڈاکا، رہزنی، زنا۔ ان جرائم کو جرائمِ حدود کا نام دیا گیا ہے۔ یہ ناقابلِ راضی نامہ ہیں۔ اس کے برعکس بعض جرائم ایسے ہیں، جن میں

مستغیث یا فریق یا تو وہ شخص بن سکتا ہے، جو خود مظلوم اور ملزم کی تعدّی کا شکار ہوا ہو اور اگر مظلوم زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو تو صرف مظلوم کے اولیا اور ورثا ہی مدعی یا فریقِ مقدمہ بن سکتے ہیں، البتہ کوئی وارث موجود نہ ہو تو پھر مظلوم کا ولی حاکم و قاضی ہوگا۔ اُن کے ماسوا کوئی دوسرا شخص فریقِ مقدمہ نہیں بن سکتا۔ اِن جرائم کو جرائمِ قصاص کہا جاتا ہے۔ جرمِ قتل کا شمار بھی جرائمِ قصاص میں ہوتا ہے، مگر اسے جرائمِ حدود میں شامل نہیں کیا گیا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۳) قتلِ نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ۔ اور جو شخص مظلومانہ قتل کیا گیا ہو اُس کے ولی کو ہم نے قصاص کے مطالبے کا حق عطا کیا ہے۔

قرآنِ مجید میں یہاں 'ولی' کے حق کے لیے 'سلطان' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس سے مراد حجت ہے جس کی بنا پر وہ قصاص کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس ارشادِ ربانی سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں، بلکہ اولیاے مقتول ہیں اور اولیاے مقتول سے مراد مقتول کے وہ وارث ہیں جنھیں شرعی قانونِ وراثت کی رُو سے مقتول کے ترکے میں سے حصّہ مل سکتا ہے۔

امام کاشانی اپنی کتاب البدائع والصنائع میں بیان من یستحق القصاص (اس کا بیان کہ قصاص کا مستحق کون ہے) کے زیرعنوان فرماتے ہیں:

اَلْمَقْتُوْلُ لَا یَخْلُو إِمَّا أَنْ یَکُوْنَ حُرًّا، وَإِمَّا أَنْ یَکُوْنَ عَبْدًا، فَإِنْ کَانَ حُرًّا لَا یَخْلُوْ إِمَّا أَنْ یَکُوْنَ لَہٗ وَارِثٌ، وَإِمَّا أَنْ لَمْ یَکُنْ، فَإِنْ کَانَ لَہٗ وَارِثٌ فَالْمُسْتَحِقُّ لِلْقِصَاصِ ھُوَ الْوَارِثُ کَالْمُسْتَحِقِّ لِلْمَالِ .....وَالْوَرَثَۃُ خُلَفَاؤُہٗ فِی اسْتِیفَاءِ الْحَقِّ یَقَعُ الْاِثْبَاتُ لِلْمَیِّتِ، وَکُلُّ وَاحِدٍ مِنْ آحَادِ الْوَرَثَۃِ خَصْمٌ عَنِ الْمَیِّتِ فِی حُقُوقِہٖ کَمَا فِی الدِّیَۃِ وَالدَّیْنِ (بدائع الصنائع، جلد۷، ص ۲۴۲) مقتول آزاد ہوگا یا غلام، اگر وہ آزاد ہو تو اُس کا معاملہ دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا، یا تو اُس کا کوئی وارث ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر اس کا کوئی وارث ہو تو قصاص کا مستحق وہی وارث

ہے جس طرح کہ وہ مال کا مستحق ہوتا ہے۔ وارث ہی مقتول کے جانشین اور نائب ہوتے ہیں اور وارثوں میں سے ہر ایک مقتول کی طرف سے خصم، یعنی دیت اور قرض وغیرہ کے معاملات میں مدعی ہوتا ہے۔

یہ اصول دیگر کتبِ فقہ میں بھی مذکور ہے، مثلاً ہدایہ کے ابواب القتل میں مصنف لکھتے ہیں:

اَلْقِصَاصُ طَرِيْقُهٗ طَرِيْقُ الْوِارَثَةِ كَالدَّيْنِ وَهٰذَا لِاَنَّهٗ عِوَضٌ عَنْ نَفْسِهٖ فَيَكُوْنُ الْمِلْكُ فِيْهِ لِمَنْ لَهُ الْمِلْكُ الْمُعَوَّضِ كَمَا فِي الدِّيَةِ، قصاص کے حصول کا طریقہ وراثت کے حصول کے مطابق ہے جس طرح وارث اپنے مورث کا ورثہ اور قرض وصول کرتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ قصاص جان کا بدلہ ہے، تو قصاص میں بھی حق اور ملکیت اسی کو حاصل ہوگی جس کو دوسرے مالی حقوق دیت وغیرہ میں حاصل ہوتے ہیں۔

ہدایہ کی شرح عنایہ اور دوسری شرح فتح القدیر میں مذکورہ بالا اصول درج کرنے کے بعد مزید وضاحت اور توجیہہ ان الفاظ میں درج ہے:

اَلْاَصْلُ اَنَّ اِسْتِيْفَاءَ الْقِصَاصِ حَقُّ الْوَارِثِ عِنْدَهٗ ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ''اس کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ قصاص کی تحصیل و تکمیل وارث کا حق ہے''۔

امام ابوحنیفہؒ کے دو رفقا اور شاگرد قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کا استدلال فتح القدیر شرح ہدایہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاَمَّا عِنْدَهُمَا الْقِصَاصُ حَقٌّ ثَابِتٌ لِلْمُوَرِّثِ اِبْتِدَاءً مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ ثُمَّ يَنْتَقِلُ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِلَى الْوَارِثِ بِطَرِيْقِ الْوِرَاثَةِ كَسَائِرِ اَمْلَاكِهٖ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ''حقِ قصاص ابتدا میں تو مورث کے لیے ثابت ہوتا ہے (اگر وہ زندہ رہے تو خود لے گا ورنہ) اُس کی موت کے بعد بہمہ وجوہ یہ حق وارث کی طرف بطریقِ وراثت منتقل ہوتا ہے جس طرح اُس کی جملہ املاک وارثوں کی جانب منتقل ہوتی ہیں۔

شریعتِ اسلامی کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو افراد ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں، اُن کی خطا پر بعض اوقات اُن سے زیادہ سخت طریق پر باز پُرس ہوتی ہے اور عام افراد کے مقابلے میں اُنھیں رعایت دینے اور نرمی اختیار کرنے کے بجائے شدت برتی جاتی ہے۔ سورۂ احزاب،

آیت ۳۰ میں ازواجِ مطہراتؓ سے فرمایا گیا:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ط (الاحزاب ۳۳:۳۰) اے نبیؐ کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی صریح فحش حرکت کا ارتکاب کرے گی، تو اُسے دُہرا عذاب دیا جائے گا۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ نعوذ باللہ ازواجِ مطہراتؓ سے ایسی بات کا اندیشہ تھا، بلکہ اس سے مقصود اُنھیں یہ احساس دلانا تھا کہ اسلامی معاشرے میں اُن کا مقام جس قدر بلند ہے اس کے لحاظ سے اُن کی ذمہ داریاں بھی بہت سخت ہیں۔ البحر الرائق جو حنفی فقہ کی معتبر کتاب ہے، اس کے حوالے سے مولانا عبدالشکور لکھنوی اپنی کتاب علم الفقہ، جلدسوم میں روزے کی قضا اور کفّارے کے زیرعنوان لکھتے ہیں:

اگر کسی بادشاہ پر کفّارہ واجب ہوتو اُسے غلام کو آزاد کرنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ چیزیں اُس کے نزدیک کچھ دشوار نہیں۔ ان سے کچھ بھی تنبیہہ اُس کو نہ ہوگی، بلکہ اُسے ساٹھ روزے رکھنے کا حکم ہونا چاہیے کہ اس پر گراں گزرے اور آیندہ رمضان کے روزے کو اس طرح فاسد نہ کرے۔

سزا دینے کے سلسلے میں حکومت کو بھی بعض استثنائی حالات میں تعزیری حق کی گنجایش ہے۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن الجزری اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (ج۵،ص ۲۶۵) میں لکھتے ہیں:

اِذَا عَفَا اَوْلِيَاءُ الدَّمِ عَنِ الْقَاتِلِ...... وَلٰكِنْ رَاَى الْحَاكِمُ اَنَّ اِطْلَاقَهٗ يُهَدِّدُ الْأَمْنَ الْعَامَ فَلَهٗ اَنْ يُعَزِّرَهٗ بِمَاشَاءَ...... الخ (یعنی اگر مقتول کے اولیا قاتل کو معاف کردیں اور حاکم یہ دیکھے کہ اِس معافی سے امن عامہ کو خطرہ لاحق ہوجائے گا، تو حاکم اُس قاتل کو معافی کے بعد بھی جو سزا چاہے دے سکتا ہے۔

اب مذکورہ بالا اصول پر اسلامی عدالتی نظام سے ایک نظیر بھی (مراتِ سکندری، ۴۵-۴۶، بحوالہ ہندستان کے عہدرفتہ کی سچی کہانیاں، مطبوعہ اعظم گڑھ، ص ۱۵۵) ملاحظہ فرمائیے:

''گجرات کے حکمران احمد شاہ اوّل (م:۱۴۴۲ء) کے داماد نے جوانی اور شاہی رشتے

کے غرور وتکبر میں ایک شخص کو بے قصور قتل کر دیا۔ سلطان احمد شاہ اوّل کو معلوم ہوا تو اُس نے اپنے داماد کو باندھ کر قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی نے مقتول کے وارثوں کو دوسو اُونٹوں کے قصاص پر راضی کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان نے اُن کو دیکھ کر کہا کہ اگرچہ مقتول کے وارث راضی ہیں، لیکن مجھ کو خود یہ قبول نہیں کہ اس طرح دولت مند لوگ خونِ ناحق کرنے میں دلیر ہوجائیں گے، چنانچہ سلطان کا داماد قتل کیا گیا۔ سلطان کے حکم سے اُس کی لاش ایک روز تک دار پر لٹکتی رہی تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں''۔ (جسٹس ملک غلام علی)

پیداوار میں مزدور کا حصّہ

سوال: کیا قرآن وحدیث اور سلف سے اس کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے کہ مزدور کو اس کی اُجرت کے علاوہ پیداوار کے منافع میں بھی شریک کیا گیا ہو؟

جواب: یہ مسئلہ دراصل مباحات میں سے ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ انسان کو جس چیز سے منع نہیں کیا گیا ہے اسے وہ اسلام کے حدود اربعہ کا لحاظ رکھتے ہوئے کرسکتا ہے۔ قرآن وحدیث میں ہمیں معاشیات کے بارے میں چند بنیادی اصول دیے گئے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں ہم اپنی ضروریات کے مطابق تفصیلات طے کرسکتے ہیں۔

جہاں تک سلف سے نظیر لانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق یہ جان لیجیے کہ اس زمانے میں سرمایہ اور محنت کے وہ مسائل ہی پیدا نہیں ہوئے تھے، جن سے ہمیں یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد سابقہ پیش آیا ہے۔ جدید معاشی نظام نے انسانیت پر جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا قرنِ اوّل میں کوئی نشان نہیں ملتا۔ اس زمانے میں چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں تھیں، جن میں دس دس، بارہ بارہ افراد کام کرتے تھے اور ایک کنبے کی طرح وہ اپنے معاملات طے کرلیا کرتے تھے۔ یورپ میں صنعتی انقلاب آیا تو اس نے بڑی تیزی سے پوری دنیا میں اپنے پنکھ پھیلا دیے اور گھریلو صنعتیں (Cottage Industries) دم توڑنے لگیں۔ بڑے بڑے کارخانے لگ گئے اور ہزاروں آدمی بیک وقت ایک کارخانے میں کام کرنے لگے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ وہ محنت کش ایک بہت بڑے کارخانہ دار کے دستِ نگر ہوگئے۔ کارخانہ دار انھیں من مانی شرائط پر ملازم رکھنے لگا، اور وہ مجبور